© rasailojaraid.com

قائدِ اعظم کا پیغامِ عید [1]

(جو ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر ہوا)

[پاکستان کی جدوجہدِ آزادی کی تاریخ میں ۱۹۳۹ء کا سال وہ عہد آفرین سال ہے جس نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد کے لیے زمین ہموار کی۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کی سندھ پراونشل کانفرنس نے پہلے ہی نہایت واضح الفاظ میں دو قومی نظریے کا اصول پیش کر دیا تھا۔ مزید برآں دوسری عالمی جنگ کے اعلان نے جنوبی ایشیا کی سیاسی حالت کا رُخ متعین کر دیا تھا۔ اس اعلان کے فوراً ہی بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مانچسٹر گارڈین کو بیان دیتے ہوئے مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ پیش کیا اور اس میں نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ برصغیر میں جمہوریت کام نہیں دے سکتی، جہاں اکثریتی فرقے کی حکومت اقلیتوں کا استحصال کر چکی ہے۔ انھوں نے جان ماسلے کے مقولے کا حوالہ دیا کہ "کینیڈا کی پوستین کا کوٹ ہندوستان کی بالکل مختلف آب و ہوا میں کام نہیں دے گا۔" اس بیان میں انھوں نے برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی اور اس حقیقت کا اظہار کیا کہ شمال مغرب اور بنگال میں کراچی سے لے کر کلکتے تک تمام علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے [2]۔ پھر ۴ ستمبر ۱۹۳۹ کو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لنلتھگو سے ملاقات کے دوران میں انھوں نے غیر مبہم الفاظ میں رائے دی کہ جن حالات سے برصغیر اس وقت گزر رہا ہے، ان سے گلوخلاصی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ملک تقسیم کر دیا جائے [3]۔ ایسے ہی ایک لمحے آل انڈیا ریڈیو نے قائداعظم کو موقع فراہم کیا کہ وہ وسیع تر حلقے تک اپنی آواز پہنچائیں اور

---

[1] بہ تقدیم و تحشیہ پروفیسر سید قدرت اللہ فاطمی۔ اردو ترجمہ جناب عبداللہ قریشی۔

[2] جمیل الدین احمد مرتب اسپیچز اینڈ رائٹنگز آف مسٹر جناح۔ لاہور (اشرف) ۱۹۴۲ء، ج اول، ص ۹۴-۹۷۔

[3] John Glendevon, The Viceroy at Bay, Lord Linlithgow in India. 1936-1943, London (Collins), 1971, P. 138.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

قائداعظم نشریات کے اس ذریعے کی قوت سے بخوبی آگاہ تھے، جو برصغیر میں نیا نیا رائج ہوا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو نے انھیں ایسے صرف دو مواقع فراہم کیے۔ دوسرا موقع ۳ جون ۱۹۴۷ء کے فیصلہ کن لمحے پر دیا گیا۔ انھوں نے اپنی مؤخرالذکر گفتگو کی تمہید ہی میں لوگوں کو براہِ راست مخاطب کرنے کا موقع دینے پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا تھا۔[1] عید کا یہ نشریہ ان کی مہارتِ فن کا آئینہ دار ہے۔ یہ سادہ، صریح، مختصر، طلاقتِ لسانی کا ایک ایسا نمونہ ہے، جو صرف ایک خوش گفتار مقرر ہی سے ظہور میں آسکتا ہے۔

محمد علی جناح نہ صرف ایک سیاست دان تھے بلکہ ایک مدبر بھی تھے، جو نہایت زیرک سالار اور اعلیٰ پایہ کے رہنما تھے۔ عملی سیاست دان کی حیثیت سے انھیں روز بروز بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا مقابلہ کرنا، موقع اور محل کے مطابق رائے دینا، مدافعت کے لیے لوگوں کو تیار کرنا، انتخابات میں رائے دہندگی کے موقعوں پر عوام کو مخاطب کرنا اور مختلف متحارب اور مخالف محاذوں پر قوم کو صف آرا کرنا ہوتا تھا۔ وہ اپنی جماعت کے نظریہ ساز، منتظم اور پبلک سے رابطہ قائم کرنے والے سبھی کچھ تھے۔ ان مصروفیتوں اور محویتوں کے باوجود وہ اپنے تصورات کے اظہار کے لیے وقت نکال لیتے اور طویل المیعاد منصوبوں کے نقشے تجویز کر دیتے تھے۔

ایسا ہی ایک موقع ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کی عید کا تھا، جب انھوں نے تحریک پاکستان کا فلسفہ، اس کے مناہج و مقاصد، اس کے حصول کی خاطر جو قدم وہ اٹھانے والے تھے اور اس منزل پر پہنچ کر جس طرح وہ پورے برصغیر کو امن اور خوش حالی سے ہم کنار دیکھنا چاہتے تھے، بیان فرمائے۔ انھوں نے مستقبل کے ہندوستان میں اپنے حقوق اور مطالبات کی نہایت مصالحانہ پیرایہ میں نشان دہی کی اور اس وقت کی توقع ظاہر فرمائی جب مسلم انڈیا یعنی پاکستان اور ہندو انڈیا یعنی بھارت مل جل کر اپنی عظمت و جلال کے لیے کام کریں۔ اس لحاظ سے موجودہ نشریہ پیش خیمہ تھا اس باضابطہ خطبے کا جو پاکستان کی مجلس دستور ساز کی تاسیس پر ۱۱ اگست ۱۹۴۷ کو دیا گیا۔

تحریک پاکستان کے بد اندیش دشمن نکتہ چینوں نے قائداعظم کو اس انتہا پسندی پر سب و شتم کا

---

[1] Jamil-ud-din Ahmed (ed) Speeches and writings of Mr. Jinnah, Lahore (Asraf), 1942, Vol II. P. . .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشانہ بنایا اور مطعون کیا۔ مگر اس آدمی کی طبیعت میں ہٹ دھرمی اور خود رائی کہاں تھی، وہ "سفیرِ اتحاد" کی صفات سے ممتاز تھا۔ برطانوی حکومت اور کانگرس کی سیاست پر رائے زنی کرنے والوں نے دراصل اپنا فریضہ باحسن الوجوہ انجام نہیں دیا۔ وہ مسٹر جناح کی ثابت قدمی پر کبھی تعجب نہ کرتے، اگر وہ مارلے کی کتاب "سمجھوتے کے بارے میں"[1] On Compromise کا مطالعہ کر چکے ہوتے، جس کے متعلق قائدِ اعظم نے سفارش کی تھی کہ اسے لازمی کتاب کی حیثیت سے نوجوان سیاسی مفکرین کے نصاب میں داخل کر دیا جائے۔

قائدِ اعظم نے اپنے نشریے میں اُس عہد کے نوجوانوں کو مخاطب کیا تھا۔ آج وہ پاکستان کے راہنما ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ بابائے قوم کے اس دوامی پیغام کے ہر ہر پہلو پر غور فرمائیں اور اسے اپنے عہد کے نوجوانوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرادیں ۔۔ اب آئندہ سطور میں آپ ان کا پیغام عید ملاحظہ فرمایئے۔

سید قدرت اللہ فاطمی

قائدِ اعظم کا پیغامِ عید

ہم پرانی نسل کے لوگوں کی اپنی آزمائشیں تھیں۔ مگر میں اپنے دوستوں بالخصوص نوجوانوں کی صحبت میں آج شب انھیں فراموش کر دینا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ بس چلے تو ان کے دل پر دستک دوں، جن سے نئی امنگوں اور تحریکوں کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ کیونکہ اب وہی ہیں جن کو مستقبل میں ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا بوجھ اٹھانا ہے۔

رمضان کا نظمِ صوم وصلوٰۃ آج خدا تعالیٰ کے حضور ایک لافانی عجز قلب میں منقلب ہو جائے گا۔ مگر یہ ایک ناتواں دل کا عجز نہ ہوگا اور جو لوگ اس انداز میں سوچیں گے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ دونوں کے سامنے غلط کار ٹھہریں گے۔ کیونکہ یہ تمام مذاہب کا ممتاز مسلمہ ہے کہ عاجز قوی ہوگا اور اسلام کے سلسلے میں یہ امر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اسلام کا حقیقی مطلب جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں اطاعت شعاری ہے[5]۔

---

[5] جمیل الدین احمد نے جو متن شائع کیا ہے، اس میں "اطاعت" کے لفظ کو "عمل" سے بدل دیا ہے، یہ غالباً کتابت کی غلطی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رمضان کا نظم اس لیے وضع کیا گیا تھا کہ ہمیں عمل کے لیے مناسب قوت بخشی جائے اور عمل سے مراد انسانی معاشرہ ہے۔ جب ہمارے پیغمبرؐ نے عمل کی ہدایت کی[۶] تو اُن کے ذہن میں کسی خلوت پسند، یکہ و تنہا انسان کی زندگی نہ تھی، جس کے اعمال، جس کی عبادت اور تمام روحانی لوازمات جو اس سے وابستہ ہیں، صرف اس کی اپنی ذات تک محدود ہوں۔

قرآن مجید کی رُو سے عبادت اور زندگی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمیں اتنے بہت سے اور کیسے عجیب مواقع فراہم کیے گئے ہیں کہ ہم اپنے ہم جنسوں سے ملیں، ان کا مطالعہ کریں انھیں سمجھیں اور باہمی مفاہمت کے ذریعے ان کی خدمت کریں اور آپ نے دیکھا ہوگا یہ تمام مواقع آئینِ عبادت نے مہیا کیے ہیں۔

ہمیں دن میں پانچ مرتبہ اپنے محلے کی مسجد میں جمع ہونا ہوتا ہے۔ پھر ہر ہفتے جمعہ کے روز جامع مسجد میں اکٹھا ہونا پڑتا ہے۔ اس کے بعد سال میں دو بار شہر کی سب سے بڑی مسجد یا میدان میں عید کے دن ہمارا اجتماع ہوتا ہے اور آخر میں حج ہے، جس کے لیے کم از کم عمر میں ایک بار مسلمانوں کو دنیا کے ہر خطے سے سفر کر کے بیت اللہ میں خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہماری عبادت کا یہ طریقہ نہ صرف ہمیں دوسرے مسلمانوں کے قریب لے آئے گا بلکہ ہر اس طبقے اور فرقے کے رکن سے ارتباط پیدا کر دے گا جو ہمارے راستے میں آئیں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہماری عبادت کے یہ احکامات محض دل خوش کن اتفاقات ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ یہ اس طرح ترتیب دیے گئے ہیں کہ انسانوں کی سماجی جبلّت کے تقاضے پورے کر سکیں۔

انسان کو قرآن مجید میں بے شک خدا کا خلیفہ کہا گیا ہے۔ اگر انسان کی یہ تعریف کوئی معنویت رکھتی ہے، تو ہم پر قرآن کی اتباع کا فرض بھی عاید کرتی ہے۔ اور یہ لازم ہو جاتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہمارا وہی سلوک ہو جو خود ذاتِ باری کا انسانوں سے ہے[۷]۔ مستعملہ لفظ کے وسیع ترین معنوں

---

[۶] علامہ محمد اقبال کی کتاب تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ کے ابتدائی الفاظ ملاحظہ ہوں: "قرآن مجید وہ کتاب ہے جو 'تصور' کی بجائے 'عمل' پر زور دیتی ہے۔"

[۷] یہ اشارہ اس قرآنی قصے کی طرف ہے، جو خدا کے نائب حضرت آدم کی پیدائش کے بارے میں بائیبل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ فرض درحقیقت عبارت ہے فریضۂ ثبت و فریضۂ درگزر سے۔ اور یقین کیجیے کہ یہ کوئی منفی فریضہ نہیں بلکہ سراسر مثبت فریضہ ہے۔

اگر ہم اللہ کے بندوں کے لیے، خواہ وہ کسی فرقے سے متعلق ہوں، محبت اور تحمل میں کوئی ایقان رکھتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی اور سامنے کے فرائض میں بھی اس ایقان کا عملی اظہار کریں[۵۶] عید کے روز صوم و صلوٰۃ کی روشن کردہ روح کا سب سے بیش قیمت مظہر اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی گھریلو، مذہبی اور ملکی زندگی میں اس کی تمام تر فرقہ وارانہ بوقلمونی کے ساتھ مکمل ہم آہنگی پیدا کریں اور اپنی نجی اور عوامی زندگی میں خودغرضانہ مقاصد کے لیے نہیں بلکہ تمام ہم وطنوں کی وسیع تر بھلائی حتیٰ کہ تمام نوع انسانی کے مفاد کی خاطر کام کریں۔

یہ ایک عظیم نصب العین ہے اور بڑی جان کاہی اور قربانی چاہتا ہے۔ آپ اپنے دماغوں میں شکوک کو کبھی راہ نہ دیں۔ تصادم ہوگا، نہ صرف مادی، جسے شاید آپ جرأت سے رفع کرلیں بلکہ روحانی بھی۔ ہمیں ان کا سامنا کرنا ہوگا اور اگر آج جبکہ ہمارے دل عجز و انکسار سے لبریز ہیں، اس بلند ہمتی کو اپنے اندر سرایت نہ کریں گے، تو پھر کبھی نہ کرسکیں گے۔ ہمارے تمام راہنما، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، فرقہ وارانہ آویزشوں پر مسلسل دکھ محسوس کرتے ہیں۔ میں ان کے اسباب و علل کی تاریخ میں نہیں پڑوں گا مگر کئی مراحل ایسے پیش آئیں گے جب انسانوں کے دماغ کام کرنا چھوڑ دیں گے اور

نے سورۂ آدم کی ذیل میں بیان کیا ہے (۲ : ۳۰-۳۹) یہ مفسرین قرآن کے نزدیک بہت بڑا موضوع ہے۔ وہ اسے بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ آخری عالم متبحر اقبال ہیں جنھوں نے اپنے لکچر "خدا کے تصور اور عبادت کے مفہوم" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (تشکیل، ص ۸۲-۱۰۷) مگر قائداعظم نے جس خوبی، صدق، جامعیت اور سادگی سے اسے بیان کیا ہے وہ قابلِ ذکر ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھنے کی بات ہے کہ جب قرآنی الفاظ فی الارض خلیفہ (۲ : ۳۰) کا ترجمہ عام طور پر زمین پر خدا کا نائب کیا جاتا ہے تو قائداعظم نے بڑی خوبی سے اس صفت کو خدا کا خلیفہ کہہ کر اسے اصل عربی کے قریب تر کر دیا ہے۔

۵۶ یہ اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے: "خدا کی مخلوق اس کا کنبہ ہے اور جو سب سے زیادہ مخلوقِ خدا سے محبت رکھتا ہے، خدا اسی کو محبوب رکھتا ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح کتاب ۲۴ باب ۱۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبب اختلافات ہی تصادم کا روپ دھار لیں گے۔ ایسے ہی لمحوں پر میں آپ سے درخواست کروں گا نیک عبادت گزاری یاد کریں اور اگر ہم ان ہدایات کی روشنی میں، جو قرآن کریم اور اس عظیم روحانیت نے ہمیں عطا فرمائی ہے، جس کا نام اسلام ہے، پوری طرح ان سے درگزر نہ کر سکیں، تو تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی، اس کی ہو بہو تصویر بن جائیں۔ میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ ہمارے مقدس پیغمبرؐ کے نزدیک ان لمحات میں اس سے بڑا اور اہم فریضہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہم نہایت صدقِ دلی سے اپنے آپ کو تمام مخلوق سے محبت اور برداشت کے لیے وقف کر دیں۔[۹]

تمام معاشرتی اقدار اور سیاسی آزادی کا انحصار بالآخر اس چیز پر ہے جسے زندگی میں بہت گہرے معنی پہنائے جاتے ہیں اور وہ چیز اگر آپ مجھے کہنے کی اجازت دیں، اسلام اور صرف اسلامی اقدار ہیں۔ محض لمبی تقریریں اور بڑی بڑی کانفرنسیں ہی سیاست کو جنم نہیں دیتیں۔ بہت سے نوجوان مجھ سے یہ دریافت کرنے آتے ہیں کہ وہ اپنے ملک کی خدمت کس طرح انجام دے سکتے ہیں؟

تو میرے نوجوان دوستو! اگر میں آج کی شب سیاست کا ذکر چھیڑوں تو وہ صرف آپ کو شعور دینے کے طور پر یہ بتلانے کے لیے ہوگا کہ مستقبل کے ہندوستان میں ہمارے کچھ حقوق اور کچھ مطالبات ہیں مگر ہم ان کے بارے میں ضد نہیں کریں گے کیونکہ ضد اس محبت اور رواداری کے جذبے کے منافی ہوگی جو عید اپنے ہمراہ لائی ہے۔ آج کے دن ہم دوستوں کو ان مسرتوں اور نبی کریمؐ کی عنایات سے محروم نہیں رکھنا چاہتے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کر کے اپنے ملک کی خدمت کر سکتا ہے۔ کیونکہ نظم و ضبط ہی ان مقدس ایام کا ماحصل ہے۔

کیا آپ میں سے ہر شخص قاعدے کا پابند ہے؟ کیا ہر شخص سڑک کے بائیں طرف چلتا اور راستے میں لوٹا کر کٹ پھینکنے سے احتراز کرتا ہے؟ کیا ہر شخص اپنے کام میں دیانت دار اور مخلص ہے؟

---

[۹] دوسرے لفظوں میں رواداری کے متعلق قرآنی احکام یہ ہیں: مذہب کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں (۲: ۲۵۶) اور ہر گروہ کو اسی سے حصہ ملے گا جو اس کا ہے (۲۳: ۵۳ اور ۳۰: ۳۲) اور انسانوں کے ساتھ محبت کرنے کے بارے میں مشہور حدیث ہے: کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (صحیح البخاری اور صحیح مسلم کتاب الایمان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ایک شخص دوسرے کی ویسی ہی مدد کرتا ہے جیسی اسے کرنی چاہیے؟ کیا وہ روادار ہے؟ یہ مانیں چاہے کتنی ہی چھوٹی نظر آئیں لیکن تہذیب نفس کا محور ہیں اور عظیم تر ہندوستان کے لیے تمام فرقوں اور مذہبوں کی مشترکہ جدوجہد میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ہمارے ملک کی خدمت ہوگی کہ آپ شہرت طلبی کی خاطر سیاست کے دائرۂ کار میں نہ آئیں بلکہ علم حاصل کریں۔ وہی آپ کے اطمینانِ قلب کا باعث ہوگا۔ یہ اس بات کی ضمانت ہوگی کہ آپ نے سیاست دانوں کے کام کو آسان بنا کر اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے۔

میں اپنی مختصر سی تقریر کے اختتام کی طرف آ رہا ہوں اور ایسا کرتے ہوئے مجھے جان مارلے کی کتاب "سمجھوتے کے بارے میں" (On compromise) یاد آتی ہے۔ میں نوجوانوں کو کتابوں کی سفارش کرنا عموماً ناپسند کرتا ہوں مگر میرا خیال ہے کہ آپ کو یہ کتاب ایک بار نہیں بار بار پڑھنی چاہیے۔ اس کتاب میں سمجھوتے کی حدود پر ایک نہایت اچھا باب ہے اور وہ حق کی تلاش اور ہمارے دستور و معمولات کی حدود کے بارے میں جو سبق دیتا ہے، اس پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔[۱۰]

حق کی جستجو اور اعتقادات کی اصلاح کے لیے ہمیں قرآن مجید کے عقلی استدلال (تفسیر) سے رہبری حاصل کرنی چاہیے۔ اگر ہمیں یکسوئی کے ساتھ صداقت کی لگن ہے تو ہم از خود اپنے منتہائے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ سچائی پر عمل درآمد کرتے وقت ہمیں اس بات پر اکتفا کرنا ہوگا کہ ہم اسی حد تک قدم بڑھائیں، جہاں تک دوسروں کے حقوق پامال نہ ہوں۔ بایں ہمہ مزید

---

۱۰ جان مارلے (۱۸۳۸-۱۹۲۳ء)، جو بلیک برن میں وائی کاؤنٹ مارلے کہلاتا تھا، انگریزی کا اعتدال پسند مدبر اور مصنف تھا۔ اس کا قلمی نام جان سٹوارٹ مل تھا۔ یہ جنوب ایشیائی برعظیم میں مارلے منٹو اصلاحات (۱۹۰۸ء/۱۹۰۹ء) کے شریک مصنف کی حیثیت سے اچھی طرح جانا پہچانا جاتا ہے۔ "سمجھوتے کے بارے میں" اس کا مقالہ (۱۸۷۴ء) انجیل کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے اور اسے انگریزی اعتدال پسندی میں کلاسیک کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ اس کا سب سے بہتر باب پانچواں ہے، جس کی طرف قائد اعظم نے اپنی نشری گفتگو میں اشارہ کیا ہے۔ یہ "عمل پذیری" کے بارے میں ہے اور اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترقی کے لیے ہمیں ہاتھ پاؤں مارنے سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔
آخر میں مجھے اس بات پر زور دینا ہے کہ آپ یہ کبھی نہ بھولیں کہ اسلام ہر مسلمان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنا قومی فرض ادا کرے[۱]

[۱] کیا یہ اس حدیث کی طرف اشارہ تو نہیں کیا کہ تم میں سے ہر شخص گلہ بان ہے اور اپنے ریوڑ کے لیے جواب دہ ہے؟ (صحیح البخاری کتاب الجمعہ، الجنائز وغیرہ، صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

مطالعہ قرآن

از مولانا محمد حنیف ندوی

اس کتاب میں مولانا ندوی نے قرآن سے متعلق ان تمام مباحث و مسائل پر محققانہ اظہارِ خیال کیا ہے، جن سے نہ صرف قرآن فہمی میں خصوصیت سے مدد ملتی ہے، بلکہ اس کتابِ ہدیٰ کی عظمت بھی نکھر کر فکر و نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ مزید برآں اس سے قرآن کے علوم و معارف اور دعوت و اسلوب کی معجزہ طرازیوں پر بھی تفصیل سے روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے زرکشی کی البرہان اور سیوطی کی اتقان کے ان تمام جواہر ریزوں کو اپنے مخصوص شگفتہ اور حکیمانہ انداز میں جمع کر دیا ہے اور مستشرقین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا تسلی بخش جواب بھی دیا ہے، جو قلب و ذہن میں شکوک و شبہات ابھارنے کا موجب ہو سکتے ہیں۔ غرض اسے قرآنی فکر و تصور بارے میں ایسا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیے جس میں وہ ساری بحثیں اور مضامین سمٹ آئے ہیں جن کی دورِ حاضر کو ضرورت ہے۔

(زیر طبع)

© rasailojaraid.com